باب اوّل

ڈپٹی نذیر احمد کے سوانحی حالات

7

اُردو زبان وادب کے میدان میں بہت سی باکمال شخصیتیں عالم وجود میں آئیں جنھوں نے اپنے قابل قدر کارناموں سے زبان و ادب کو معراج تک پہنچا دیا، انھیں باکمال ہستیوں میں شمس العلماء ڈپٹی نذیر احمد کا بھی شمار ہوتا ہے۔ نذیر احمد بنیادی طور پر اُردو ناول نگاری کے موجد تسلیم کئے جاتے ہیں۔ اُردو ادب میں نہ صرف ناول نگاری کے فن کو فروغ بخشا بلکہ اس صنف ادب کو انگریزی زبان کے ناولوں کا ہم پلہ قرار دیا۔ انھوں نے اپنی ناول نگاری کے ذریعہ بطور خاص اصلاح معاشرہ کا کام لیا اور اس طرح انھوں نے اپنی تحریر وتقریر کی بدولت قوم وملت کو خواب غفلت سے بیدار کیا اور اسے منزل مقصود کی طرف گامزن کر دیا۔ اس ضمن میں ڈاکٹر سید اعجاز حسین رقمطراز ہیں:

> ''عام طور پر اُردو کی ناول نویسی کا بانی سرشار کو خیال کیا جاتا ہے لیکن حقیقت میں نذیر احمد اُردو کے سب سے پہلے ناول نویس ہیں اس لئے کہ ان کی تصانیف بنات النعش (۱۸۷۳ء)، مراۃ العروس (۱۸۶۹ء) اور توبۃ النصوح (۱۸۷۷ء) سرشار سے بہت قبل شائع ہو چکی تھیں۔'' [۱]

اس سلسلے میں ڈاکٹر مسیح الزماں اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

---

[۱] مختصر تاریخ ادب اُردو —— ڈاکٹر سید اعجاز حسین ص:۲۳۶

”غدر کے بعد معاشرت اور ادب میں اصلاح پسندوں کا دور دورہ ہوا
ان میں نذیر احمد بھی تھے۔ انھوں نے سحر اور جادو سے بھرے ہوئے
ایسے قصوں کو جن میں محبت کا ایک عجیب سا تصور تھا مخرب اخلاق سمجھ کر ایسے
اصلاحی افسانے لکھنے کی کوشش کی جو زندگی سے قریب بھی ہوں اور زندگی کو
سنوارنے میں بھی مدد دیں۔“ [1]

عام روایت کے مطابق کسی شخصیت پر مقالہ تحریر کرنے کے لئے سب سے پہلے اس شخصیت کی خاندانی زندگی کے پس منظر اور پیش منظر کو مدنظر رکھنا ناگزیر تصور کیا جاتا ہے۔ اس لئے مقالہ ہذا کے اس باب میں ڈپٹی نذیر احمد کے خاندانی حالات کے ساتھ ان کا سوانحی خاکہ اجمالی طور پر پیش کرنا مقصود ہے۔

جائے پیدائش

ڈپٹی نذیر احمد کے والد جناب مولوی سعادت علی کو ان کے نانا قاضی غلام علی شاہ صاحب نے خانہ داماد بنا کر رکھا تھا۔ موصوف موضع ریہڑ، پرگنہ افضل گڈھ، تحصیل نگینہ، ضلع بجنور کے رہنے والے تھے۔ انھیں کے گھر ۶ر دسمبر ۱۸۳۶ء بروز شنبہ نذیر احمد پیدا ہوئے۔

علاوہ ازیں نذیر احمد کی پیدائش کے سلسلے میں حامد حسن قادری اپنی کتاب ”داستان تاریخ ادب اُردو“ میں لکھتے ہیں کہ:

”نذیر احمد ۶ر دسمبر ۱۸۳۶ء مطابق ۲۳ر جمادی الاولیٰ ۱۲۵۲ھ کو

---

[1] معیار و میزان —— ڈاکٹر مسیح الزماں ص: ۱۳۲

بمقام موضع ریہڑ، پرگنہ افضل گڈھ، تحصیل نگینہ، ضلع بجنور میں پیدا ہوئے۔‘‘ [1]

مگر ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی نے اپنے مقالہ ’’مولوی نذیر احمد دہلی - احوال و آثار‘‘ میں اس کی تردید کرتے ہوئے سنہ پیدائش کا تعین ۱۸۳۱ء کیا ہے۔ اور بھی کئی مصنفوں نے نذیر احمد کا سال پیدائش ۱۸۳۱ء ہی دیا ہے۔ لیکن خود نذیر احمد نے ترجمہ ’’تعزیرات ہند‘‘ کے صلے میں ڈپٹی کلکٹری کے لیے حکومت جو کوائف مہیا کیے تو ان میں عمر ۲۱ ستمبر ۱۸۳۳ء بیان کی۔ مالک رام نے توبۃ النصوح کا تعارف لکھتے ہوئے ۱۸۳۳ء ہی کو ان کی تاریخ پیدائش مانا ہے۔ اگر نذیر احمد کے بیان کو صحیح مان لیا جائے تو کیا دہلی کالج میں داخلے کے وقت نذیر احمد کی عمر ۱۲ سال تھی۔ ۱۸۳۱ء کے لحاظ سے ۱۴ سال ہوتی ہے یہ عمر تو قابل قبول معلوم ہوتی ہے۔ اس اعتبار سے ۱۸۳۱ء ہی نذیر احمد کی تاریخ پیدائش زیادہ قرین قیاس ہے۔

نام و نسب

نذیر احمد کا نام ان کے والد ماجد نے رکھا تھا۔ ان کی کوئی عرفیت نہیں تھی اور نہ ہی اپنے اصلی نام کے علاوہ کسی اور نام سے مشہور تھے۔ ان کے والد مولوی سعادت علی کا سلسلۂ نسب حضرت شاہ عبدالقدوس گنگوہی کے نامور خلفاء میں سے ایک بزرگ شاہ عبدالغفور اعظم پوری (بجنور) سے ملتا ہے۔ غرضیکہ ڈپٹی نذیر احمد نے ایک مشہور دیندار گھرانے میں جنم لیا جس پر انھوں نے خود بھی فخر کا اظہار کیا ہے:

’’مجھ کو اس بات کا فخر حاصل ہے کہ ابا عن جد موروثی مسلمان ہوں

---

[1] داستان تاریخ ادب اُردو حامد حسن قادری ص:۵۸۶

اور اپنے نسب نامے میں انقراض سلطنت دہلی تک کے بلا فصل مشائخ و مفتی
اور علماء کے نام پاتا ہوں۔'' [1]

یہ حقیقت ہے کہ نذیر احمد شاہ عبدالغفور اعظم پور کی اولاد میں سے ہیں اور اعظم پور ضلع بجنور میں ہے۔ شاہ صاحب اپنے وقت کے مشاہیر اولیاء اللہ میں شمار کئے جاتے تھے۔ اسی طرح مولوی نذیر احمد کا ننیہال بھی علماء کے خاندان میں تھا جو شاہی زمانے میں قاضی رہ چکے تھے۔ یہی نہیں بلکہ مصنف و مؤلف ''حیات النذیر'' کے بموجب ان کا سلسلہ نسب حضرت ابوبکر صدیق تک پہنچتا ہے۔

ڈپٹی نذیر احمد چار برس کی عمر تک ریہڑ میں رہے لیکن ان کے نانا قاضی غلام علی شاہ انتقال کر گئے تو جدی جائیداد کا تنازعہ کھڑا ہوا تو ان کے والد مولوی سعادت علی صاحب اپنی اہلیہ (والدہ نذیر احمد) کو لے کر بجنور منتقل ہو گئے اور اپنے آبائی مکان میں رہنے لگے۔ بجنور پہنچ کر مولوی سعادت علی نے کچھ دنوں تک شکر (کھنڈسازی) کا کام کیا لیکن یہ کام ان کی طبیعت کے موافق نہ تھا لہٰذا اسے چھوڑ کر معلمی کے پیشے کو اپنا ذریعہ معاش بنایا۔

---

[1] نذیر احمد کے ناول (تنقیدی مطالعہ)، ڈاکٹر اشفاق محمد خاں ص ۱۶

نسبتی تفصیلات

اور

خاندانی حالات
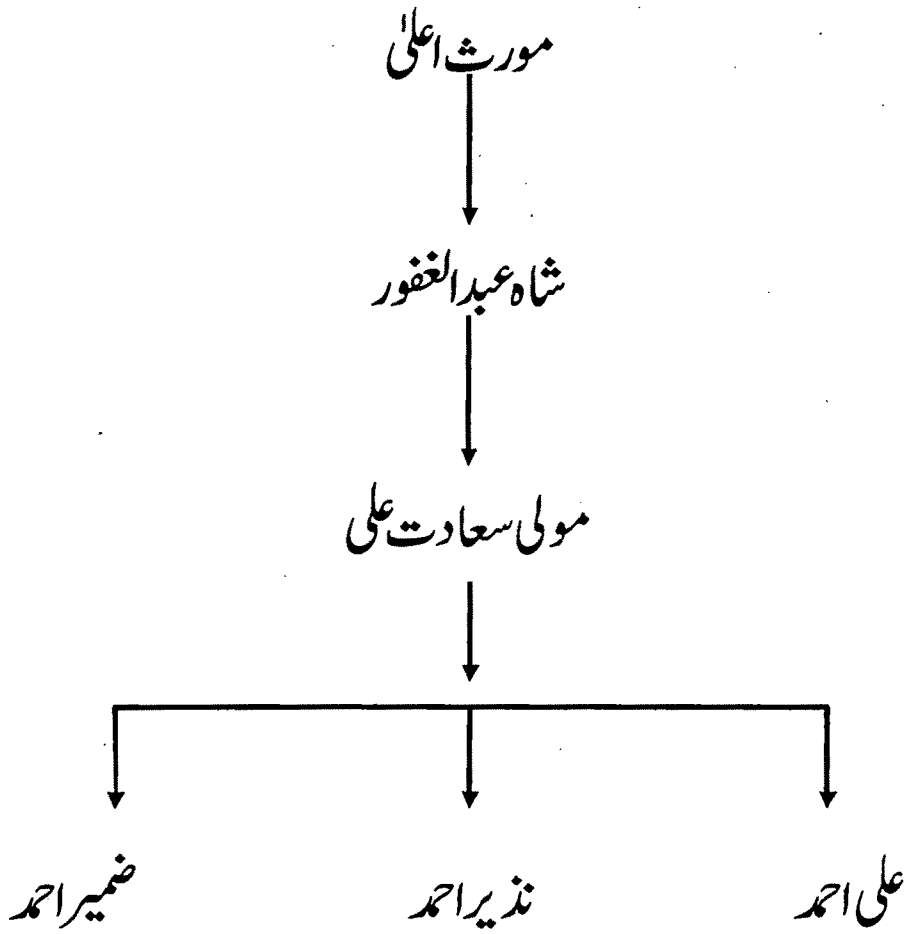
لیکن بقول جمیل اختر:

''مولوی سعادت کی کل چھ اولادیں ہوئیں۔علی احمد، نذیر احمد، ضمیر احمد، جلیا، متیا، چھوٹی لڑکی یعنی تین بیٹے اور تین بیٹیاں۔نذیر احمد کا نمبر دوسرا تھا۔

نذیر احمد کے والد ماجد صوم وصلوٰۃ کے پابند اور بڑے نیک انسان تھے۔انھیں فارسی اور عربی زبان میں بڑی مہارت حاصل تھی۔شعر و ادب کا بھی نہایت صاف ستھرا مذاق رکھتے تھے۔شاید یہی وجہ ہے کہ نذیر احمد کی طبیعت میں بھی موزونیت موجود تھی۔

نذیر احمد کے بڑے بھائی علی احمد عربی زبان کے عالم اور پایہ کے ادیب تھے۔انھوں نے نذیر احمد کے ساتھ دلی کالج میں تعلیم پائی تھی۔تعلیم سے فارغ ہوکر وہ کافی دنوں تک سررشتۂ تعلیم میں ملازم رہے اور ایک عرصہ تک بریلی کالج میں عربی استاد بھی رہے۔آخر میں ڈپٹی انسپکٹر مدارس حلقۂ بجنور مقرر ہوئے۔اسی منصب سے آخر کار سبک دوش ہوئے اور پنشن پائی۔ ۱۷ر دسمبر ۱۹۹۰ء کو بجنور میں ہی ان کا انتقال ہوا۔

نذیر احمد کے چھوٹے بھائی ضمیر احمد اپنی ماں کے پاس رہتے تھے۔انھیں ماں کے بے جا لاڈ پیار نے بگاڑ رکھا تھا اس لیے زیادہ تعلیم حاصل نہیں کرسکے۔ نذیر احمد جب گھورکھپور میں ڈپٹی کلکٹر مقرر ہوئے تو انھوں نے ضمیر احمد کو اپنے پاس بلالیا اور ملازمت سے لگوادیا۔کچھ دنوں تک میونسپلٹی میں ملازم رہے اس کے بعد محکمۂ پولیس میں تھانے دار ہوئے۔کسی طوائف سے شادی بھی کی لیکن کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ ۳۰ر دسمبر ۱۹۰۵ء کو ان کا انتقال ہوگیا۔'' [۱]

---

[۱] ـ

تعلیم و تربیت

ڈپٹی نذیر احمد نے حسب دستور قرآن مجید گھر پر پڑھا اس کے بعد مکتب بھیجے گئے مگر ان کے والد مکتب کی پڑھائی سے مطمئن نہ تھے اس لئے انھوں نے نذیر احمد کو مکتب سے بلا لیا اور خود گھر پر تعلیم دینا شروع کر دیا۔ ڈپٹی نذیر احمد بے حد ذہین تھے اس لئے بچپن میں ہی دوسری کتب کے علاوہ مینا بازار، پنج رقعہ اور سہ نثر ظہوری ختم کر لی اور فارسی کی پڑھائی کے ساتھ ساتھ عربی کی بھی پڑھائی کی اور کم عمر میں ہی فارسی کی استعداد بہم پہنچائی۔ والد نے ابتدائی تعلیم کے ساتھ ہی ان کو شریفانہ زندگی گذارنے کے طور و طریقے سکھائے۔ یہ ان کے والد کی تعلیم و تربیت کا ہی نتیجہ ہے کہ ڈپٹی نذیر احمد نے تمام عمر ریاضت، مشقت اور سلیقے سے گذاری۔

ڈپٹی نذیر احمد جب چھ برس کے ہوئے تو ان کے والد انھیں اپنے وقت کے جید عالم مولانا نصر اللہ خاں صاحب خورجوی کی شاگردی میں دے دیا جو ان دنوں بجنور میں ڈپٹی کلکٹر کے عہدہ پر فائز تھے۔ تقریباً ۵ ؍برس تک ڈپٹی نذیر احمد مولانا نصر اللہ خاں صاحب کے حلقہ درس میں رہے۔ اتفاق سے ڈپٹی صاحب کا تبادلہ اعظم گڈھ ہو گیا تو انھوں نے مولوی سعادت علی کو مشورہ دیا کہ اب ان کو دہلی لے جا کر پڑھاؤ۔ اس طرح مولوی سعادت علی صاحب ان کو لے کر دہلی پہنچے اور وہاں ۱۸۴۲ء میں مولوی عبدالخالق صاحب پیش امام متولی شاہی مسجد کے سپرد کر دیا۔ عبدالخالق صاحب نے انھیں پنجابی کٹرہ کی مسجد میں رہنے کی ہدایت فرمائی۔ اس مسجد میں مولوی عبدالخالق صاحب نے درس و تدریس کا کام شروع کر رکھا تھا اور یہ سلسلہ تقریباً ۳؍سال تک چلا۔[1]

---

[1] مجموعہ ڈپٹی نذیر احمد —— ڈپٹی نذیر احمد ص: ۴

دہلی میں مولوی صاحب کی حلقہ درس میں شمولیت اگرچہ کئی لحاظ سے اہم ہے تاہم افتخار احمد بلگرامی (مصنف حیات النذیر) نے لکھا ہے:

''یہاں وہ بہت جبر کے ماحول میں ذلت آمیز زندگی بسر کر رہے تھے یہاں تک کہ محلے سے روٹیاں مانگ کر لاتے۔'' [1]

مولوی صاحب کے گھر میں ملازموں کی طرح سودا سلف لاتے، بچہ کھلاتے اور مصالحہ پیستے جس پر ایک لڑکی (بعد میں ان کی اہلیہ) بٹہ مار مار کر ان کی انگلیاں کچل دیتی اور ان سب سے مستزاد مسجد میں مار پٹائی۔ غرض نذیر احمد پر اس زمانے میں طرح طرح کی مصیبتیں گذریں۔

ڈپٹی نذیر احمد چونکہ فطرتاً ذہین تھے اور علم حاصل کرنے کی لگن انھیں بے چین کر رکھی تھی اس لئے مسجدوں کی زندگی اور مولویوں کی خدمت گاری سے بہت دل برداشتہ تھے۔ اس زمانے میں دہلی کالج کی بڑی شہرت تھی۔ یہ کالج معیاری کالج سمجھا جاتا تھا۔ مروجہ علوم کے ساتھ ساتھ انگریزی اور سائنس، معلومات عامہ کا درس بھی دیا جاتا تھا۔ حسن اتفاق سے اس کالج کے پرنسپل جناب گارگل سے نذیر احمد کی ملاقات ہوگئی اور انھوں نے نذیر احمد کی خواہش کے مطابق دہلی کالج میں داخلہ دینے کا وعدہ کرلیا اور ۱۸۴۵ء میں نذیر احمد دہلی کالج میں داخل ہوگئے اور داخلے کے ایک ماہ بعد چار روپے کا وظیفہ مقرر ہوگیا اور نذیر احمد کو مسجد کی گداگرانہ زندگی سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے نجات مل گئی۔

ڈپٹی نذیر احمد ۱۳ر سال کے تھے کہ ان کے والد کا انتقال ہوگیا۔ چنانچہ نذیر احمد جو اب تک تعلیم و تعلّم کے معاملے میں ذرا بے توجہی سے کام لے رہے تھے۔ والد کے انتقال کے

---

[1] حیات النذیر — افتخار احمد بلگرامی

بعد شب و روز کتابیں چاٹنے پر تل گئے۔ نذیر احمد کو ریاضی اور تاریخ سے بالکل دلچسپی نہ تھی شاید اس لئے کہ ان کا میلان طبع ادب کی طرف زیادہ تھا لیکن چونکہ ریاضی اور تاریخ کے طلباء کو وظائف بھی ملا کرتے تھے اس لئے نذیر احمد کو بادل نخواستہ وظیفہ پاتے رہنے کی غرض سے ان مضامین میں بھی محنت کرنی پڑتی تھی۔

دہلی کالج سے نذیر احمد کو تعلیم کے اعتبار سے زیادہ فائدہ نہیں پہنچا اس لئے کہ عربی اور فارسی وہ پہلے ہی سے خاصی جانتے تھے اور چونکہ وسیع المطالعہ تھے اس لئے عربی اور فارسی میں خاصی دسترس رکھتے تھے۔ سائنس، ریاضی اور تاریخ سے انھیں دلچسپی نہ تھی البتہ محنت کر کے امتحانات میں ضرور پاس ہو جایا کرتے تھے۔ فائدہ صرف یہ ہوا کہ کالج سے وظیفہ ملتا رہا اور اس سے تعلیمی سلسلے کو کافی مدت تک جاری رکھ سکے۔ تاہم انھوں نے دہلی کالج سے متعلق اپنے تاثرات کا جو اظہار فرمایا ہے وہ قابل ملاحظہ ہے:

> ''معلومات کی وسعت، رائے کی آزادی، ٹالریشن (درگذر)، گورنمنٹ کی سچی خیر خواہی، اجتہاد، اعلیٰ بصیرت' یہ چیزیں جو تعلیم کے عمدہ نتائج ہیں اور جو حقیقت میں شرط زندگی ہیں ان کو کالج ہی میں سیکھا اور حاصل کیا۔ اگر میں کالج میں نہ پڑھا ہوتا تو میں بتاؤں کیا ہوتا؟ مولوی ہوتا تنگ نظر، متعصب اور اکھل کھرا، اپنے نفس کے احتساب سے فارغ اور دوسروں کے عیوب کا متجسس برخود غلط ؎
>
> ترک دنیا بمردم آموزند
> خویشتن سیم و غلہ اندوزند
>
> مسلمانوں کا نادان دوست تقاضائے وقت کی طرف سے اندھا اور بہرا۔'' [1]

---

[1] نذیر احمد کے ناول (تنقیدی مطالعہ) ——ڈاکٹر اشفاق محمد خاں ص:١٦

شادی وخانہ آبادی

دہلی کالج میں نذیر احمد کی لیاقت، صلاحیت، ہونہاری اور ذہانت کے چرچے ہو رہے تھے اسی اثناء میں مولوی عبدالخالق صاحب نے اپنے بڑے بیٹے مولوی عبدالقادر صاحب کو مسجد کی امامت اور دوسرے فرائض سونپ دیئے۔ مولوی عبدالقادر صاحب کی سب سے بڑی بیٹی صفیۃ النساء اب ماشاء اللہ بالغ و باشعور تھی چنانچہ عبدالقادر صاحب نے اپنی صاحبزادی کی نسبت ڈپٹی نذیر احمد سے کردی۔ یہ وہی صاحبزادی ہیں جنھیں نذیر احمد کبھی گود میں لئے پھرتے تھے۔ نذیر احمد نے یہ شادی والدین کی مرضی کے بغیر اپنی مرضی سے کی تھی جو کہ اس زمانے کے لحاظ سے بہت بڑی بغاوت تھی چنانچہ نذیر احمد کی والدہ نے حسب منشاء بجنور میں ان کی دوسری شادی کرادی مگر یہ شادی نبھ نہ سکی اور جلد ہی طلاق ہوگئی۔ اس بیوی سے کوئی اولاد نہیں تھی۔

نذیر احمد ہمیشہ سے بڑے خوددار اور غیرت مند واقع ہوئے تھے۔ ان کا سسرال خوشحال تھا اور سسرال والے چاہتے تھے کہ ان کے ساتھ اچھا سلوک کریں مگر وہ سسرال سے دور ہی رہتے تھے یہاں تک کہ معمولی سے معمولی تحفے و تحائف بھی قبول کرنا پسند نہیں کرتے تھے۔ مزاج کے تیکھے پن کی وجہ سے اکثر سسرال والے بددل بھی رہتے تھے۔ ان کی بیوی بھی آزردہ اور ناخوشی کا اظہار کرتی تھیں مگر مولانا ان کو سمجھانے کی کوشش کرتے تھے۔ مثلاً

> ”تم اس کو میری ناخوشی اور ناراض مندی پر محمول نہ کرو۔ خدا اپنی قدرت سے مجھ کو فارغ البالی دے گا تو تم دیکھ لوگی کہ تم کو کیسا خوش رکھتا ہوں۔ یہ تنگدستی انشاء اللہ چند روزہ ہے تم کو بددل نہ ہونا چاہئے۔“ [1]

---

[1] نذیر احمد کے ناول (تنقیدی مطالعہ) ـــــ ڈاکٹر اشفاق محمد خاں ص:۱۵

اولاد واقارب

ڈپٹی نذیر احمد کثیر الاولاد تھے۔ ان کو کل بیس بچے ہوئے لیکن صرف تین اولاد دو بیٹیاں سکینہ بیگم اور صغریٰ بیگم اور ایک بیٹے بشیر الدین احمد نے لمبی زندگیاں پائیں۔ ان کے علاوہ سات برس کا ایک لڑکا ہیضہ سے گذر گیا۔ جس کا عربی مرثیہ نذیر احمد نے لکھا ہے۔ ایک اور لڑکا بھی ہیضہ سے ہی گذر گیا۔ بڑی لڑکی سکینہ بیگم مولوی سید احمد حسین صاحب کی اہلیہ تھیں۔ دوسری لڑکی صغریٰ بیگم خان بہادر مولوی اشرف الحق سے بیاہی گئیں۔ تیسرے لڑکے بشیر الدین احمد کی شادی نواب قطب الدین مرحوم کی پوتی امت المغنی سے ہوئی۔ پہلی بیوی سے کوئی اولاد نہ ہوئی تو بیس سال انتظار کے بعد سید زمانی بیگم سے دوسری شادی کی اس سے بھی کافی تاخیر سے ہی سہی لیکن اولاد کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ دوسری بیوی کے انتقال کے بعد انھوں نے تیسری بھی شادی کی۔ دونوں بیویوں سے گیارہ اولادیں ہوئیں۔

قدوقامت اور شکل وشباہت

نذیر احمد کے قدوقامت کے بارے میں بہت سے مصنّفین نے اپنی تصنیفات میں تذکرہ کیا ہے۔ لیکن اس سلسلے میں مرزا فرحت اللہ بیگ اپنی تصنیف میں ''نذیر احمد کی کہانی - کچھ میری کچھ ان کی زبانی'' میں کچھ اس طرح لکھا ہے:

> ''قد خاصا اونچا تھا مگر چوڑان نے لمبان کو دبا دیا تھا، بدن موٹاپے کی طرف مائل تھا، رنگ سانولا تھا، کمر کا گھیرا ضرورت سے زیادہ تھا، تو ند اس قدر بڑھ گئی تھی کہ ازار بند باندھنا تکلیف دہ ہوتا تھا اس لئے گھر کے اندر گرمیوں میں زیادہ تر تہد باندھتے تھے۔ سر بہت بڑا تھا مگر سر پر بال بہت کم تھے اور جو

تھوڑے بہت بال تھے وہ اکثر صاف کردیئے جاتے تھے۔آنکھیں چھوٹی چھوٹی اوراندرکودھنسی ہوئی تھیں، بھنویں گھنی تھیں اورآنکھوں میں غضب کی چمک تھی جس میں شوخی اور ذہانت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔بچپن میں ورزش کا شوق تھا، ورزش چھوڑ دینے سے بدن جس طرح مرمروں کا تھیلا ہوجاتا ہے بس یہی کیفیت تھی۔ بھاری بدن کی وجہ سے چونکہ قد ٹھگنا معلوم ہونے لگا تھا اس لئے ان کا تکملہ اونچی ترکی ٹوپی سے کردیا جاتا تھا۔جبڑا بہت زبردست پایا تھا، آواز میں گرج تھی مگر لوچ کے ساتھ،کوئی دور سے سنے تو یہ سمجھے کہ مولوی صاحب کسی کوڈانٹ رہے ہیں لیکن پاس بیٹھے تو ہنسی کے مارے لوٹ پوٹ ہورہا ہوتا۔ناک کسی قدر چھوٹی تھی اور نتھنے بھاری۔متانت چھوکر نہیں گئی تھی لیکن جسم کے بوجھ نے رفتار (چال) میں خود بخود متانت پیدا کردی تھی۔ڈاڑھی بہت ہی ہلکی تھی ایک ایک بال آسانی سے گنا جاسکتا تھا۔ کلے کے بال صاف نہیں ہوتے تھے البتہ تھوڑی پر کا حصہ کبھی کبھی ہموار کرلیا جاتا تھا،گردن چھوٹی مگر موٹی تھی۔"[1]

لباس اور وضع قطع

نذیر احمد کے لباس کے بارے میں یہ کہنا کافی ہوگا کہ ان کے گھر اور باہر کے لباس میں زمین وآسمان کا فرق تھا اگر ان کو روزانہ گھر سے باہر نہ جانا ہوتا تو لباس کا خرچ ان کے اخراجات کی فہرست سے نکل جاتے۔عموماً جب شام کو گھر سے نکلتے تھے تو ترکی ٹوپی یا چھوٹا سفید صافہ باندھ کر نکلتے تھے۔گرمیوں میں نہایت صاف وشفاف اچکن اور سفید کرتا یا پاجامہ ہوتا اور جاڑوں میں کشمیر کی اچکن کا کشمیری کام کا جبہ ہوتا تھا اور چونکہ سراج الدولہ صاحب سے لین

[1] نذیر احمد کی کہانی کچھ میری اور کچھ ان کی زبانی ——مرزا فرحت بیگ دہلوی ص:۳۱

آئے روزانہ ۶/بجے ٹاؤن ہال کی لائبریری میں آجاتے تھے ایسا ہوتا تھا کہ اِدھر انھوں نے لائبریری کے دروازے میں قدم رکھا اُدھر گھنٹہ گھر نے ۶/بجائے۔ یہ تین شخص تھے ایک منشی ذکاء اللہ صاحب، دوسرے رائے بہادر پیارے لال جی اور تیسرے مولوی نذیر احمد صاحب بنفس نفیس جو وقت کے بڑے پابند تھے۔

مذہب اور عقیدہ

مولوی نذیر احمد ہمیشہ صبح میں بہت سویرے اُٹھنے کے عادی تھے۔ گرمیوں میں اٹھتے ہی ضروریات سے فارغ ہو کر نہاتے، وضو کرتے اور نماز پڑھتے۔ ان کی صبح اور عصر کی نماز کبھی ناغہ نہیں ہوتی تھی۔ باقی کا حال بقول مرزا فرحت اللہ بیگ ''اللہ اعلم بالصواب''۔

صبح کی نماز پڑھ کر کچھ تلاوت قرآن پاک کرتے۔ ویسے تو مولوی صاحب کے یہاں تصنیف و تالیف کا سلسلہ ہمیشہ ہی رہا لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ مولوی صاحب کو مسلمانوں میں تجارت پھیلانے کا بڑا شوق تھا اور اس غرض کو حاصل کرنے میں ان کو مالی مدد دینے میں کبھی انکار نہ تھا۔ بے دریغ روپے دیتے تھے اور اکثر بڑی بڑی رقمیں ڈبو بیٹھتے تھے۔ جس طرح دل کھول کر روپے دیتے تھے اسی طرح سختی سے حساب بھی لیتے۔ بقول مرزا فرحت اللہ بیگ:

> ''گرمی ہو یا جاڑہ، دھوپ ہو بارش قرض داروں کے وہاں ان کا روزانہ کا چکر نہیں چھوٹتا تھا اور جاتے ہی پہلے 'غلق'' پر قبضہ کیا اس کے بعد کھاتہ دیکھا' سامان دیکھ کر بکری کا اندازہ کیا' روپے جیب میں ڈالا'' سلامُ علیکم، وعلیکم السلام' اور چل دیئے۔'' [1]

---

[1] نذیر احمد کی کہانی - کچھ میری کچھ ان کی زبانی ——— مرزا فرحت بیگ دہلوی ص:۳۹

نذیر احمد لین دین سب کچھ کرتے مگر حساب کتاب صرف دوسروں کی کتابوں یا ان کے دل میں ہوتا تھا۔ کچھ تھوڑا بہت متفرق پرچوں پر لکھ بھی لیا کرتے تھے لیکن کبھی بڑے بیوپار کے لئے جیسا دفتر چاہئے وہ انھوں نے کبھی نہیں رکھا۔ سود لینا جائز سمجھتے تھے اگر کوئی حجت کرتا تو بہت ساری تاویلوں سے ان کا ناطقہ بند کر دیتے تھے کیوں کہ ایک تو حافظ دوسرے عالم تیسرے ماہر انسانی نفسیات' بھلا کون جیت سکتا تھا؟ چنانچہ وہ اپنی بحث سے لوگوں کو قائل کر دیتے تھے۔

اس سلسلے میں بذات خود مرزا فرحت بیگ دہلوی نے اپنی کتاب ''مولوی نذیر احمد کی کہانی کچھ ان کی کچھ میری زبانی'' میں اپنے ایک ذاتی معاملہ کا ذکر کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

> ''ہم پر متفرق قرضے تھے۔ خیال آیا کہ ایک جگہ سے قرض لے کر سب کو ادا کر دیا جائے۔ قرضہ کس سے لیا جائے یہ ذرا ٹیڑھا سوال تھا۔ جب غور کرتے تو مولوی صاحب پر ہی نظر جاتی تھی۔ آخر ایک دن ہمت کر کے مولوی صاحب سے سوال کر ہی دیا۔ کہنے لگے 'کتنا روپیہ چاہئے؟' میں نے کہا 'بارہ ہزار'۔ بولے 'ضمانت؟' میں نے کہا 'جوڑی والا مکان'۔ پوچھا 'کتنی مالیت کا ہے؟' میں نے کہا 'کوئی ساٹھ ستر ہزار روپے کا'۔ فرمایا 'کل قبالہ لیتے آنا'۔ میں نے سوچا چلو چھٹی ہوئی بڑی جلدی معاملہ پٹ گیا۔ دوسرے دل قبالہ لے کر پہنچا۔ پڑھ کر کہا 'ٹھیک ہے مگر بیٹا سود کیا دو گے؟' میں نے کہا مولوی صاحب آپ اور سود؟ کہنے لگے 'کیوں اس میں حرج کیا ہے؟ نہ دوں گا تو ساہوکار سے لو گے۔ اس کو خوشی سے سود دو گے۔ ارے میاں! مجھے کچھ فائدہ پہنچاؤ گے تو دین دنیا دونوں میں بھلا ہوگا۔ آخر میں تمہارا استاد ہوں یا نہیں؟ میرا بھی کچھ حق تم پر ہے یا نہیں؟ جاؤ شاباش بیٹا اپنے چچا سے تصفیہ کرا آؤ، کل ہی چیک بنگال بینک کے نام لکھ دیتا ہوں' میں نے کہا 'مولوی

جس کے نتیجہ میں احمر کالج سے ۱۰۰/روپئے ماہوار پر عربی مدرسی اور کانپور سے ۸۰/روپئے ماہوار کی انسپکٹری کی پیش کش ہوئی۔ نذیر احمد نے کانپور جانا پسند کیا اور وہاں ڈپٹی انسپکٹر مدارس کے عہدے پر فائز ہو گئے۔ کانپور میں اس وقت کپتان فلر (Cult Fuller) صاحب انسپکٹر مدارس دوم تھے۔ یہ انسپکٹر صاحب فوجی آدمی تھے اور غصیلے بھی واقع ہوئے تھے۔ نذیر احمد صاحب کی ان سے نہ بنی اور ملازمت سے استعفٰی دے دیا۔ استعفٰی دینے کے بعد دہلی کو روانہ ہو گئے۔

ان ایام میں ڈائریکٹر تعلیمات اسٹوارٹ ریڈ (Steward Reade) بھی دہلی کے لال قلعے میں مقیم تھے۔ ان کے میر منشی مولوی کریم بخش تھے جن کی وساطت سے نذیر احمد کو الٰہ آباد کا ڈپٹی انسپکٹر کا عہدہ پیش کیا گیا اور نذیر احمد الٰہ آباد پہنچ گئے۔ الٰہ آباد پہنچ کر نذیر احمد نے ملازمت کے ساتھ ساتھ انگریزی زبان کی تحصیل پر بھی اپنا وقت صرف کیا۔ در اصل نذیر احمد کے والد مولوی سعادت علی صاحب بڑے دیندار تھے۔ وہ انگریزی تعلیم سے سخت متنفر تھے چنانچہ انھوں نے نذیر احمد کو اپنے جیتے جی انگریزی نہ پڑھوائی۔ وہ زمانہ کچھ ایسا تھا کہ انگریزی سے مسلمانوں کا ایک گروہ بہت دور رہنا چاہتا تھا۔ نذیر احمد نے اپنے والد کے انگریزی سے اس قدر تعصب کو لاہور کے ایک لکچر میں کچھ اس طرح بیان کیا ہے:

> ”میں اپنے باپ کا بیٹا ہوں کہ دہلی کالج کے پرنسپل نے ہر چند چاہا
> کہ میں بھی انگریزی پڑھوں والد مرحوم نے جو کہ ایک غریب آدمی تھے مگر
> اپنے وقت کے بڑے دیندار صاف کہہ دیا مجھے اس کا مرنا منظور، اس کا
> بھیک مانگنا قبول مگر انگریزی پڑھنا گوارہ نہیں۔“ [1]

گویا نذیر احمد نے باقاعدہ کسی اسکول یا کالج میں انگریزی نہیں پڑھی البتہ الٰہ آباد میں

---

[1] نذیر احمد کے ناول (تنقیدی مطالعہ) ——ڈاکٹر اشفاق محمد خاں ص:19-18

جب وہ ڈپٹی انسپکٹر ہو کر پہنچے تو ایک انگریز داں عبداللہ خاں امین عدالت کے یہاں قیام کیا اور عبداللہ خاں صاحب نے نذیر احمد کو انگریزی سیکھنے کی طرف راغب کیا۔ چنانچہ نذیر احمد نے انگریزی کی حکایت الف لیلیٰ سے درس لینا شروع کیا۔ نذیر احمد کا حافظہ بہت اچھا تھا اس لئے انھوں نے جلد ہی اچھی خاصی استعداد پیدا کر لی۔ ایک جگہ خود فرماتے ہیں:

"میں نے انگریزی سبقاً سبقاً ترتیب سے نہیں پڑھی انگریزی گرامر مجھے اب تک نہیں آتی مگر چونکہ عربی بہت ٹھوک بجا کر پڑھی تھی اس نے انگریزی کو میرے لئے ایسا سہل کر دیا کہ جو مدرسہ کے لڑکے برسوں میں کرتے ہیں میں نے مہینوں میں کر لیا۔" [1]

غرض نذیر احمد جہاں سے اور جیسے بھی موقع ملتا انگریزی سیکھنے کے شوق کو پورا کرتے تھے۔ نذیر احمد کے پاس باقاعدہ طور پر کوئی انگریزی کی ڈگری نہیں تھی لیکن انھوں نے محنت اور شوق سے اس قدر لیاقت پیدا کر لی تھی کہ اس وقت کے گریجوئٹ بھی ان سے مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔ چنانچہ ریڈ (Reade) صاحب نے ان کی انگریزی کی صلاحیت دیکھ کر پینل کوڈ کے ترجمے میں شریک کر لیا۔

نذیر احمد کی انگریزی دانی اور ترجمہ نگاری کا عام چرچہ ہونے لگا۔ انڈین پینل کوڈ (قانون تعزیرات ہند) کے ترجمے میں وہ شریک غالب تھے۔ ان کے دوسرے شرکاء منشی عظمت اللہ اور مولوی کریم بخش تھے۔ اس کے صلے میں ان کو ولایت سے ایک گھڑی جس پر ان کا نام کندہ تھا بطور عطیہ دی گئی اور ڈپٹی کلکٹر کے لئے نامزد بھی کیے گئے۔

---

[1] نذیر احمد کے ناول (تنقیدی مطالعہ) —— ڈاکٹر اشفاق محمد خاں ص:۱۹

ترجمے کا کام ختم کرنے کے بعد سرولیم میور (Sir Willium Muir) کے داماد مسٹر لو (Mr. Low) کے پاس سلام کو گئے۔ مسٹر لو نے خوشخبری سنائی کہ کانپور میں تحصیلدار کی جگہ خالی ہونے والی ہے۔ ان کے اسرار پر ڈپٹی نذیر احمد کانپور چلے گئے۔ یہ واقعہ ۱۸۶۱ء کا ہے۔ تحصیلداری کا امتحان بھی ہونے والا تھا۔ وقت بہت کم رہ گیا تھا لیکن نذیر احمد نے ۳رماہ کی محنت شاقہ سے تحصیلداری کا امتحان اوّل درجہ میں پاس کرلیا۔ اس کے بعد ضابطہ فوجداری (جو تعزیزات ہند ہی کا ایک حصہ ہے) کی تصحیح فرمائی۔ یہ ترجمہ بے حد پسند کیا گیا۔ اس کا صلہ یہ ملا کہ وہ ڈپٹی کلکٹر کے لیے منتخب ہو گئے۔

ڈپٹی کلکٹر کا عہدہ

نذیر احمد تحصیلداری کے عہدے سے ترقی کر کے ۱۸۶۳ء میں کانپور ہی میں ڈپٹی کلکٹر کے عہدے پر بٹھائے گئے۔ کچھ عرصہ بعد ان کا تبادلہ کانپور سے گورکھپور پھر جالون ضلع میں ہوا لیکن کچھ دنوں بعد پھر گورکھپور آ گئے۔ گورکھپور میں انھوں نے قانونِ شہادت کے عالمانہ متن کا ترجمہ کیا۔ یہاں سے تبادلہ کر کے اعظم گڈھ تشریف لے گئے۔ یہ جگہ ملازت کے لحاظ سے زیادہ خوشگوار نہ تھی لیکن تصنیف وتالیف کا موقع نسبتاً زیادہ ملا۔ چنانچہ یہاں انھوں نے انگریزی کتاب ''کولمز ہیونز'' کا ترجمہ ''سوات'' کے نام سے کیا۔ اس کتاب پر نذیر احمد کو حکومت برطانیہ سے ایک ہزار روپئے بطور انعام ملا۔ بعض اسباب کی بنا پر اس کتاب کو ترجمے کی اصلاح کے لئے حیدرآباد بھیجا گیا۔ وہاں اسے پسند کیا گیا اور نظام سرکار میں اس کا چرچہ ہوا۔ چنانچہ حکومت نظام کے وزیر سالار جنگ نے' نذیر احمد کو ایک اہم خدمت پر مامور کرنے کی دعوت دی اور نذیر احمد یکم اپریل ۱۸۷۷ء کو اعظم گڈھ سے رخصت لے کر حیدرآباد روانہ

ہو گئے۔ سر سالار جنگ نے نذیر احمد کے سپرد یہ کام کیا کہ وہ سلطنت میں بد نظمی کے اسباب کا مطالعہ کریں اور مفصل رپورٹ پیش کریں۔ اس سلسلے میں پہلے نذیر احمد کو دو ضلعوں ناگ کرنول اور نلکنڈہ کے دفاتر، کچہری اور مجلس کے معائنہ پر متعین کیا۔ تنخواہ ایک ہزار دو سو چالیس روپئے ماہوار مع بھتہ مقرر ہوئی۔ نذیر احمد نے مذکورہ اضلاع کا دورہ شروع کیا اور با قاعدہ ہر جگہ کی رپورٹ سرکار کو بھیجتے رہے۔ یہ رپورٹیں سر سالار جنگ کو بہت پسند آئیں۔ کچھ اختلاف کے بعد طے پایا کہ نذیر احمد کو ناظم بندوبست کے ساتھ منصرم صدر تعلقدار بنا دیا جائے۔ نذیر احمد کی کارکردگی، لیاقت اور ذہانت سے سر سلار جنگ اس قدر خوش تھے کہ ان کی خواہش پر سر سالار جنگ نے ان کے بیٹے مولوی بشیر الدین احمد کو دوسرے اعزاز سے بھی نوازا۔ نذیر احمد ریاست حیدرآباد میں صدر تعلقدار (کمشنر) کی حیثیت سے خدمات انجام دیتے رہے لیکن ایک وقت ایسا آیا جب ریاست میں بد نظمی، مالی حالت کی خرابی، مجلس مال گذاری کے ارکان کے باہمی اختلافات اور دوسرے نا قابل برداشت حالات سے بددل ہو کر نذیر احمد نے اس ملازمت سے بھی استعفیٰ دینے اور پنشن لینے کا فیصلہ کر لیا۔ استعفیٰ دینے کی بعد وہ حیدرآباد سے دہلی آ گئے۔ نظام سرکار نے ان کی سرکاری خدمات کے صلے میں ۶۰۰/روپئے ماہوار کی پنشن مقرر کی۔ نذیر احمد اس معاوضہ کے لئے حضرت نظام الملک آصف جاہ میر محبوب علی خاں بہادر کے ہمیشہ دل سے مشکور رہے۔

شوخیٔ طبع اور شگفتہ مزاجی

مولوی نذیر احمد میں تیزیٔ طبع کے ساتھ صاف گوئی اور شوخیٔ طبع بلا کی تھی۔ جو کہنا ہوتا وہ کہے بغیر نہ رہتے تھے۔ چنانچہ ۱۹۰۴ء میں لارڈ کرزن کا ایک لکچر ہوا اور اس میں انھوں نے اس

بات پر زور دیا کہ جب تک ہندوستانی یورپ والوں کی طرح سچ بولنے کی عادت نہ ڈالیں گے اس وقت تک ہندوستان ترقی نہ کر سکے گا۔ اخباروں میں یہ خبر پڑھ کر مولوی صاحب کو بہت غصہ آیا۔ خدا کی قدرت دیکھیئے کہ اس کے چند روز بعد کالج میں سالانہ جلسہ ہوا اور لارڈ لیفرائے جو ہندوستان کے لاٹ پادری تھے تشریف لائے۔ شامت اعمال سے انھوں نے بھی اپنے لکچر میں یہی موضوع قرار دیا۔ کالج کی طرف سے لاٹ صاحب کو شکریہ ادا کرنے کے لئے مولوی صاحب تجویز کئے گئے۔ اب کیا تھا اللہ دے بندہ لے جو کچھ دل میں بھرا تھا خوب اچھی طرح نکال لیا۔ کالج والے حیران تھے کہ الٰہی یہ ماجرہ کیا ہے؟ مولوی صاحب شکریہ ادا کررہے ہیں یا لاٹ صاحب پر اعتراضات۔ مگر انھوں نے جب تک اپنے دل کی بھڑاس اچھی طرح نہ نکال لی خاموش نہ رہے۔ سب سے پہلے انھوں نے ہندوستان کے مغربی اثرات کو نہایت پر مذاق پہلو سے بیان کیا۔ فرمانے لگے:

> ''حضرات پائجامہ اچھا ہے یا پتلون؟ ہم پرانے آدمی تو موسم کے لحاظ سے اٹھنے بیٹھنے کی سہولت و آرام کے لحاظ سے پائجامہ کو ہی اچھا کہیں گے مگر آج کل کے ہندوستانی صاحب بہادر پتلون کا ساتھ دیں گے' یہ کیوں؟ اس لئے کہ یہ انگریزوں کا پہناوا ہے۔ ہم اچکن یا انگرکھے کو اچھا کہیں گے کہ اس سے ستر ڈھکتا ہے۔ آدمی بھاری بھرکم معلوم ہوتا ہے۔ ہمارے یورپ کے دلدادہ بھائی کوٹ کو پسند کریں گے' یہ کیوں؟ اس لئے کہ یہ انگریزوں کا پہناوا ہے۔ ہم بڈھے سلیم شاہی جوتی پر جان دیں گے' یہ کیوں کہ اس میں پیر کو آرام ملتا ہے، نرم نرم اور سبک ہوتی ہے۔ ہمارے فیشن کے عاشق فل بوٹ کا انتخاب کریں گے یہ کیوں؟ اس لئے کہ یہ

انگریزوں کا ماتحت کیا ہے، ان کی ہر چیز ہمارے لئے قابل تقلید ہے اور ان کا ہر فعل ہمارے لئے قابل تقلید ہے اور ان کا ہر فعل ہمارے لئے چراغ ہدایت ہے۔ اب افعال سے گذر کر اقوال پر نوبت آ گئی ہے۔ لارڈ کرزن تھوڑے ہی دن ہوئے فرما چکے ہیں کہ ہندوستانی سچ چھوڑو اور انگریزی سچ بولا کرو۔ آج ہمارے پادری لیفرائے بھی ان کے ہم نوا ہوئے یا تو انھوں نے یہ سمجھا کہ یہاں کے سچ اور یورپ کے سچ میں فرق ہے اور وقت آ گیا ہے کہ پائجامے کی طرح ہندوستانی سچ کو اتار پھینک دیا جائے اور پتلون کا ولایتی سچ پہن لیا جائے یا ان کا یہ خیال ہے کہ ہندوستان کے کسی مذہب نے سچ کی تلقین ہی نہیں کی ہے اور یہ نیا مال ولایت سے آیا ہے۔ بہر حال کچھ بھی ہو اب تمہارے سچ کی قدر نہیں رہی۔ خدا کے لئے اگر اپنا بھلا چاہتے ہو تو ان لاٹ صاحبوں کا حکم مانو یہ بڑے لوگ ہیں، مولوی نذیر حسین یا پنڈت بانکے لال نہیں ہیں کہ انھوں نے ہندوستانی سچ بولنے کی ہدایت کی اور تم ہنس کر ٹال گئے۔ لاٹ صاحب کی بات نہ مانو گے اور ولایتی سچ نہ بولو گے اور تازہ مال استعمال نہ کرو گے تو یاد رکھو کہ نوکری ملنی مشکل ہو جائے گی اور نوکری نہ ملی تو روٹیوں کے محتاج ہو جاؤ گے کیوں کہ دونوں لاٹ صاحبوں نے یہ ہدایت نہیں کی ہے کہ نوکری کا خبط چھوڑو اور تجارت یا صنعت و حرفت اختیار کرو اسی سے تمہارے دلدر دور ہوں گے۔"[1]

اس طرح کے اور بہت سے واقعات ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ ڈپٹی نذیر احمد کس قدر صاف گو تھے۔

---

[1] نذیر احمد کی کہانی کچھ میری اور کچھ ان کی زبانی —— مرزا فرحت بیگ دہلوی ص: ۴۳

شخصیت وسیرت

مولوی نذیر احمد اُردو کے بہت مشہور مصنف ہیں۔ ان کی کتابوں میں ''مراۃ العروس''، ''توبۃ النصوح'' اور ''ابن الوقت'' نے بہت شہرت پائی اور یہ مختلف درجوں کے نصاب میں شامل رہی ہیں۔ ان کتابوں کو پڑھ کر مولوی صاحب کی خوبیاں اور خصوصیتیں ہم کو معلوم ہوجاتی ہیں۔ وہ عربی کے عالم تھے مگر اُردو کے مزاج شناس تھے اور با محاورہ زبان لکھنے کا ڈھنگ ان کو خوب آتا تھا اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ سماجی اور اخلاقی برائیوں کے بہت خلاف تھے۔

ان کی شخصیت کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ خود سرکاری نوکری کرتے رہے مگر ہمیشہ یہ چاہتے رہے کہ عام مسلمان خاص کر نوجوان صنعت اور تجارت میں دل لگائیں۔ اس کے لئے ہمیشہ بطور قرض مال دینے کو بھی تیار رہتے تھے۔ تجارت کے وہ اس قدر قائل تھے کہ اکثر کہا کرتے تھے ''جب کوئی قوم زوال کے اثرات کا شکار ہوجاتی ہے اور خرابیوں کے علاوہ ایک بہت بڑی خرابی یہ پیدا ہوجاتی ہے کہ آدمی صنعت وتجارت کو کم رتبہ کا کام سمجھتا ہے، محنت اور مشقت سے جی چراتا ہے اور ساری توجہ اس پر لگی رہتی ہے کہ سرکاری نوکری مل جائے وہ چپراسی کی ہو یا کلرک کی۔ باپ دادا کا نام لے کر خاندانی بڑائی کا بکھان کیا جاتا ہے اور یہ نہیں دیکھا جاتا کہ کہنے والے کا حال کیا ہے؟ اس میں کیا صلاحیت ہے اور خوبیاں ہیں؟

مولوی ڈپٹی نذیر احمد ایک بے باک شخصیت کے مالک تھے چنانچہ مرزا فرحت اللہ بیگ نے اپنی مشہور کتاب ''نذیر احمد کی کہانی کچھ میری اور کچھ ان کی زبانی'' میں ان کا ایک واقعہ لکھا ہے کہ لاٹ پادری صاحب کالج میں آئے اور اپنے لکچر میں اس بات پر زور دیا کہ

ہندوستانیوں کو یورپ والوں کی طرح سچ بولنا چاہیئے۔ ڈپٹی نذیر احمد سنتے رہے کڑھتے رہے، آخرکار جب شکریہ کا موقع آیا تو انھوں نے لاٹ پادری سے مخاطب ہو کر کہا:

''لاٹ صاحب نے سچ بولنے کا مشورہ تو دے دیا لیکن یہ نہیں کہا کہ ہندوستان والوں کو صنعت و تجارت میں حصہ لینا چاہیئے خرابیاں اسی سے دور ہوں گی اور قومی خوشحالی اس طرح آسکے گی۔'' [1]

اس زمانے میں کسی انگریز کے منہ پر اس طرح بات کہہ دینا اس پر اعتراض کرنا بہت مشکل تھا۔

وہ عورتوں کی تعلیم کے حامی تھے اور رسم و رواج کی خرابیوں کو سماج کے لئے بہت زیادہ تباہی پھیلانے والی چیز سمجھتے تھے۔ اصل میں یہ سرسید احمد خاں کا اثر تھا۔ وہ سرسید کے خاص آدمیوں میں سے تھے۔ سرسید نے مسلم معاشرے کی خرابیوں کو خوب سمجھ لیا تھا اور آنے والے زمانے کے مسائل کا ان کو خوب اندازہ تھا۔ ہاں دونوں میں ایک فرق ضرور تھا کہ سرسید جس قدر انگریزوں سے قریب تھے اور انگریزی خیالات کو جس قدر اہمیت دیتے تھے مولوی نذیر احمد انگریزوں کی کچھ خوبیوں کے قائل ہونے کے باوجود ذہنی طور پر ان سے اس قدر قریب نہیں تھے۔ وہ مغربی تہذیب سے مرعوب نہیں تھے۔ ہاں مغربی تعلیم اور مغرب کی سائنسی ایجادات کے قائل تھے اور ان سے متاثر تھے۔

ڈپٹی نذیر احمد کو اپنے بل بوتے پر ترقی کرنے پر ناز تھا۔ وہ چھوٹے درجے سے بڑے درجے پر ترقی کرنا اپنا کارنامہ سمجھتے تھے۔ انھوں نے جو کچھ کیا اور جو کچھ کر دکھایا کسی کی خوشامد، کسی کی سفارش یا کسی خاندانی وجاہت کے باعث نہ تھا۔ وہ تھے اور دنیا کا وسیع اکھاڑا۔

---

[1] نذیر احمد کی کہانی کچھ میری اور کچھ ان کی زبانی ـــــ مرزا فرحت بیگ دہلوی ص: ۴۷

وہ اپنے دست و بازو کے بھروسے پر اس میدان میں اترے۔ ہر مصیبت کا سامنا اپنی ذاتی قابلیت اور ہمت سے کیا۔ جس کام میں ہاتھ ڈالا اس کی تکمیل میں خون پانی ایک کر دیا اور دنیا پر بخوبی ثابت کر دیا کہ بے یاری و مددگاری ترقی کی راہ میں ایسی رکاوٹیں نہیں ہیں جو بآسانی ہٹائی نہ جاسکیں اور خاندانی تعلقات کی عدم موجودگی ایسی چیز نہیں جو مانع ترقی ہو سکے۔ جب کبھی جوش میں آتے تو ہمیشہ اپنے شاگردوں سے ''I am self made man.'' کا فقرہ ضرور استعمال کرتے اور جب کبھی اس پر نصیحت کرتے تو ہمیشہ یہی فرمایا کرتے کہ بیٹا جو کرنا ہے خود کرو باپ دادا کی ہڈیوں کے واسطے سے بھیک نہ مانگتے پھرو۔

انسان فطرت سے مجبور ہے۔ جب دنیا کی نظریں اس پر پڑنے لگتی ہیں تو ہمیشہ اپنی پہلی حالت کی کمزوریوں کو چھپاتا اور خوبیوں کو دکھاتا ہے۔ جس طرح بڑے بڑے گھرانوں کو نااہل اولاد اپنے باپ دادا کے نام سے اپنی نالائقی کو چھپاتی ہیں اسی طرح سے غریب گھرانوں کی لائق اولاد چاہتی ہے کہ ان کے باپ دادا کے نام لوگوں کے دلوں سے محو ہو جائیں۔ یہ ہے ہماری اخلاقی کمزوری اور یہ ہے ہماری اخلاقی سبق سے بے خبری۔ لیکن مولوی نذیر احمد اپنے آباو اجداد کا نقشہ اصلی رنگ میں دکھاتے تھے اور اس پر فخر کرتے تھے۔ ان کو اپنی ابتدائی غربت پر ناز تھا اور اکثر کہا کرتے تھے کہ:

> ''میاں اگر لیفٹیننٹ گورنر کے بیٹے ہو تو کم سے کم ڈپٹی کمشنر تو ہو جاؤ، دس روپے کے اہل کار رہو، باپ کو لیفٹیننٹ گورنر کہتے ہوئے تمہیں شرم نہیں آتی۔'' [1]

ڈپٹی نذیر احمد صاحب بڑے خوش خوراک تھے اور مزے لے لے کر کھاتے تھے۔

---

[1] نذیر احمد کی کہانی کچھ میری اور کچھ ان کی زبانی —— مرزا فرحت بیگ دہلوی ص:۲۲

ناشتے میں دونیم برشت انڈے ضرور ہوتے تھے۔ میوے کا بڑا شوق تھا ناشتے اور کھانے کے ساتھ میوے کا ہونا لازم تھا۔

ڈپٹی نذیر احمد نے تصنیف کا کام جالون سے شروع کیا تھا۔ ان کے بچے اب اس لائق ہو گئے تھے کہ انھیں مکتب میں داخل کیا جائے لیکن ان کا ذاتی تجربہ مکتبوں کی تعلیم اور نصاب سے متعلق خاصا تھا اور وہ مروجہ تعلیم اور درسی کتب کو ناقص خیال کرتے تھے چنانچہ انھوں نے خود اس بات کی کوشش کی کہ اپنے بچوں کے لئے ایسی کتابیں لکھیں کہ وہ شوق اور دلچسپی سے انھیں پڑھیں اور جن کے ذریعہ اپنے بچوں کی اخلاقی حالت سدھرے اور معلومات عامہ میں بھی اضافہ ہو۔ 'مراۃ العروس' اس سلسلے کی پہلی کتاب ہے جو جالون ضلع میں ہی تصنیف فرمائی اس کے علاوہ مسلسل ہی تصنیف کے کام میں مصروف رہے۔

نذیر احمد نے نثری کارناموں کے علاوہ نظموں کا مجموعہ 'نظم بے نظیر' کے نام سے چھوڑا ہے۔ ان کی نظموں کے بیشتر موضوعات قومی، ملکی، اخلاقی اور مذہبی ہیں۔ ان کی شاعری مبالغے اور پراگندہ خیالی سے پاک ہے۔ نذیر احمد کا خیال تھا کہ:

> ''ایشیائی اردو کی شاعری، مذموم ہے اس نے قوم کے اخلاق پر بہت برا اثر کیا ہے۔ شاعری جو خود کہ مبداء ان تمام خیالات فاسد کا ہے اس کے اثر بد سے کب محفوظ رہ سکتا ہے اس محل پر شاعروں کے دوسرے عیوب بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ شاعر میں کم سے کم خود پسندی کا عیب تو ضرور ہی پیدا ہو جاتا ہے۔ وہ اپنے ہم پیشوں سے حسد کرنے لگتا ہے جس کو اُم الزمائم کہنا چاہئے اور اگر توقع کے بعد اس کو داد یا صلہ نہ ملے تو وہ ہجو سے لوگوں کی دل آزادی کرتا ہے۔'' [1]

---

[1] نذیر احمد کی کہانی کچھ میری اور کچھ ان کی زبانی —— مرزا فرحت بیگ دہلوی ص:۲۲

یہی وجہ ہے کہ نذیر احمد خود کو شاعر نہیں کہتے۔

میں کہاں اور شاعری کا مشغلہ بے سود محض
یہ وہ کرتا ہے جو محفل سے ہو خواہاں داد کا

ڈپٹی نذیر احمد کو ان کی علمی، ادبی اور سرکاری خدمات کے صلے میں سب سے پہلے گورنمنٹ برطانیہ نے ۲۲ر جولائی ۱۸۹۷ء کو شمس العلماء کا خطاب دیا۔ اس کے بعد ۲ر اپریل ۱۹۰۲ء کو ایل۔ ایل۔ ڈی کی سند ایڈنبرا یونیورسٹی سے ملی اور ۲۸ر دسمبر ۱۹۱۰ء کو پنجاب یونیورسٹی کے ۳۵ویں کانووکیشن میں چانسلر صاحب (لیفٹیننٹ گورنر پنجاب) نے ڈی۔ او۔ ایل کی ڈگری عطا فرمائی۔ غرضیکہ نذیر احمد نے جس طرح اپنی زندگی کی ابتدا کی اور اسے جس طرح منتہائے کمال تک پہنچایا اس کی مثال اردو ادب کی تاریخ میں مشکل سے ملے گی۔

تصنیفات وتالیفات

ڈپٹی نذیر احمد کی تصنیفات وتالیفات متعدد اور مختلف موضوعات پر مشتمل ہیں جیسا کہ وہ اپنی تصنیفات وتالیفات کے بارے میں بذات خود لکھتے ہیں:

''میں اپنے بچوں کے لئے ایسی کتابیں لکھنا چاہتا تھا کہ وہ ان کو چاؤ سے پڑھیں ....ڈھونڈھا، تلاش کیا کہیں پتہ نہ لگا۔ میں نے ہر ایک کے مناسب حال کتابیں بنانا شروع کیں۔ بڑی لڑکی کے لئے 'مرأۃ العروس'، چھوٹی کے لئے 'منتخب الحکایات'، بشیر کے لئے 'چند پند'۔ یہ نہیں کیا کہ کتابیں سالم لکھ لیں تب پڑھانی شروع کیں' نہیں بلکہ ہر کتاب کے چار چار پانچ پانچ صفحے لکھ کر ہر ایک کے حوالے کر دیئے مگر وہ بچوں کو ایسی بھائیں کہ جس کو پاؤ صفحے کے پڑھنے کی طاقت تھی وہ آدھے صفحے کے لئے اور جس کو

ایک صفحے کی استعداد تھی وہ ورق کے لئے مستعجل تھا۔ جب دیکھو ایک نہ ایک
متقاضی کہ میرا سبق کم رہ گیا ہے۔ میں اسی وقت قلم برداشت لکھ دیا کرتا۔
یوں کتابوں کا پہلا گھان تیار ہوا۔" [1]

علاوہ ازیں نذیر احمد صاحب ان کتابوں کی شہرت و اشاعت کا قصہ بیان کرتے ہیں، وہ بھی عجیب اتفاق اور پر لطف واقعہ ہے یعنی ڈپٹی صاحب کے چھوٹے صاحبزادے بشیر الدین کی ڈائرکٹر سررشتہ تعلیم سے کہیں ملاقات ہوگئی۔ انھوں نے لڑکے سے پوچھا تم کیا پڑھتے ہو۔ بشیر الدین نے مذکورہ بالا کتابوں کا نام بتایا۔ ڈائرکٹر صاحب نے تعجب سے کہا کہ اُردو میں ان ناموں کی تو کتابیں نہیں ہیں۔ لڑکے نے کہا یہ کتابیں ابّا نے میرے اور آپا کے لئے لکھی ہیں۔ صاحب نے کہا اچھا دوڑ کر انھیں لے آؤ۔ بشیر دوڑا ہوا گھر گیا اور 'مرأۃ العروس'، 'منتخب الحکایات' اور 'چند پند' کے قلمی نسخے لے آیا۔ ڈائرکٹر صاحب نے ان کتابوں کو دیکھا اور 'مرأۃ العروس' کو بہت پسند کیا اور گورنمنٹ سے اس پر انعام دئے جانے کی سفارش کی۔ چنانچہ اس پر ایک ہزار روپیہ نقد اور ایک قیمتی گھڑی انعام میں ملی۔ اس کے بعد تصانیف کا سلسلہ شروع ہوگیا۔
ڈپٹی صاحب کی تصانیف و تالیفات حسب ذیل ہیں:

۱- ناول

(۱) مرأۃ العروس، مطبوعہ ۱۸۶۹ء

(۲) بنات النعش (مرأۃ العروس کا دوسرا حصہ)، مطبوعہ ۱۸۷۳ئ' جس میں لڑکیوں کی دستکاری اور عملی زندگی کی ترغیب دی ہے۔

(۳) توبۃ النصوح، مطبوعہ ۱۸۷۷ئ جس میں سچی اسلامی زندگی کی تعلیم

---

[1] نذیر احمد کی کہانی کچھ میری اور کچھ ان کی زبانی —— مرزا فرحت بیگ دہلوی ص:۲۲

ہے۔اس پر بھی ایک ہزار روپیہ انعام ملا۔

(۴) محصنات یا فسانۂ مبتلا، مطبوعہ ۱۸۸۵ء یہ اسلامی اصلاحی مشن کے تحت لکھی گئی۔

(۵) ابن الوقت (غدر کے زمانے کا قصہ)، مطبوعہ ۱۸۸۸ء انگریزی اور ہندوستانی واسلامی معاشرت کا مقابلہ کیا گیا ہے۔

(۶) رویائے صادقہ، دہلی کے قدیم شریف خاندان کی زندگی کا حال بیان کیا گیا ہے۔

(۷) ایامی، جس میں بیوہ عورتوں کے نکاح ثانی کی ضرورت وفوائد بیان کئے ہیں۔

۲- اخلاق

(۱) منتخب الحکایات

(۲) چند پند

(۳) موعظہ حسنہ

۳- مذہب

(۱) ترجمۂ قرآن، نذیر احمد نے قرآن پاک کا ترجمہ بھی کیا ہے۔

(۲) الحقوق والفرائض (۳/حصے) ۱۹۰۶ء میں لکھی۔

(۳) الاجتہاد (عقائد اسلامی کا عقلی ثبوت) ۱۹۰۸ء (۱۳۳۴ھ) میں لکھی۔

(۴) امہات الامۃ (ازواج مطہرات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات)

(۵) ادعیۃ القرآن (اس میں قرآن مجید کی تمام دعائیں ایک جا کردی ہیں اور ان پر مفید حاشیے لکھے ہیں)

۴- منطق

علم منطق پر یہ کتاب نذیر احمد نے بڑی محنت اور دیدہ ریزی سے کام لے کر تصنیف کی ہے۔

(ا) مبادی الحکمت (مصنفہ ۱۸۷۱ء:۱۲۸۸ھ)، اس رسالے میں علم منطق کی تعلیم کا جدید و دلچسپ طریقہ اختیار کیا ہے جو منطق کی مروجہ کتابوں سے مختلف ہے۔ مثالیں بھی نئی نئی تلاش کی ہیں جن سے کتاب کی دلچسپی میں اضافہ ہو گیا ہے۔

۵- علم ہیئت

ڈپٹی نذیر احمد کی یہ کتاب علم ہیئت پر بڑی اہم تصور کی جاتی ہے۔

(ا) سمٰوات (۱۸۷۶ء :۱۲۹۳ھ)، یہ انگریزی کتاب کا ترجمہ ہے۔ گورنمنٹ نے اس پر ایک ہزار روپیہ انعام دیا۔

۶- قواعد

(ا) مایغنیک فی الصرف

(۲) صرف صغیر (عربی قواعد کے متعلق لکھیں)

۷- متفرقات

(ا) رسم الخط

(۲) نصاب خسرو

(۳) فسانۂ غدر

(۴) مجموعہ لکچر

(۵) نظم بے نظیر نذیر (نظموں کا مجموعہ)

(۶) مطالب القرآن (آخر عمر میں مطالب القرآن کے نام سے ایک ضخیم تصنیف کا آغاز کیا لیکن تمام نہ کر سکے۔)

قانونی کتابوں کے ترجمے اس کے علاوہ ہیں۔

وفات

نذیر احمد نے ۲۷/اپریل ۱۹۱۲ء کو بعارضۂ فالج دہلی میں وفات پائی اور قبرستان باقی باللہ میں مدفون ہوئے۔[1]

□□□□

---

[1] یہ جگہ نئی دہلی ریلوے اسٹیشن کے نزدیک نبی کریم سے متصل ہے اس قبرستان میں اولیاء کرام کے علاوہ بہت سے بزرگان دین مدفون ہیں۔